تجدیدِ دین کے ضوابط اور تحدیات

Rules and limitations for Renewal of Religion

Muhammad Asadullah
Phd Scholar,Islāmic studies,University of Karachi:
muhammadasadullah7788@gmail.com
Dr.Taj Muhammad
Assistant professor,University of Karachi,Karachi:
tajmuhammad1964@gmail.com

Abstract

Some regulations have been established by the eminent scholars, imams, jurists and mujtahids of the muslim community in accordance with the teachings of the Qurān and Sunnah. The assence of these regulations is drived from the Qurān and Sunnah. The intention of the Qurān and Sunnah is that the propagation and dissemination of Islām should be crried out with these regulations and principles in mind. The definitive and unambiguous aspects should be accepted as they are. Reason should always be subordinate to Sharia. Desire of the self should be kept away. Only a person who thoroughly understands the principles and regulations of renewal should undertak it, and such a person must also posses the necessary knowledge.following the terminologies and consepts of sharia and essentioal. The propagation of Islām and the renewal of faith should be done within the framework of Sharia terminologies and concepts. Exessiveness, extremism and rigidity should be avoided in matters of religion. The teachings of Islām should always be considered paramount. One should avoid following dispensations and arrors and should not amalgamate different religious school of thought. Islām is a universal and and global religion, and its teachings should be spread accordingly. Furthermore, care should be taken to avoid imposing any restrictions or limitations that are not sanctioned by Allah and his Messenger.

Keywords: Renewal of Religion, Rules, Limitations, Religion

تجدید دینِ کے حوالہ سے کچھ ضابطے مقرر ہیں پس ان کو مد نظر رکھتے ہوئے تجدید کا کام کرنا ضروری ہے۔ وہ ضابطے تجدید کی راہیں متعین کرتے ہیں۔ان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کن پہلوؤں میں تجدید کا عمل کیا جائے گا اور کن میں نہیں ہوگا۔ یہ ضابطے قرآن و سنت کی تعلیمات سے مستنبط ہیں۔اور اسلاف کی تعلیمات سے واضح ہیں۔ سابقہ مسلم تاریخ میں جو مجددین گزرے ہیں اور امت نے ان کو مجدد تسلیم کیا ہے ان کے طریق اور طرز سے یہ ضابطے متعین ہوتے ہیں۔ پس جو کوئی بھی تجدید کا عمل کرے گا وہ ان ضوابط پابند ہوگا۔یعنی اگر کوئی شخص ان ضوابط اور قیود کے اندر رہ کر یہ عمل کرے گا تو وہ یقیناً مجدد ہے لیکن اگر کوئی ان ضوابط کے خلاف جاتا ہے اور ان کی پاسداری نہیں کرتا تو مجدد نہیں ہو سکتا۔ درج ذیل میں ان ضوابط کو ایک ایک بیان کیا جاتا ہے۔

ضابطہ 1: قطعیات وثوابت الاسلام میں تجدید نہیں

تجدید میں نئے پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کیا جاتا ہے۔ وقت اور زمانہ گزرنے کے ساتھ، حالات و واقعات بدلنے اور علاقہ و جغرافیہ مختلف ہونے کے ساتھ کئی طرح کے مسائل اور چیلنجز سامنے آتے ہیں۔ مجدد کا کام ہوتا ہے کہ وہ ان کا مقابلہ کرے اور ان کا حل پیش کرے۔ وہ تمام چیلنجز کہ جو امت کو لاحق مجدد ان کا جواب دے گا اور اسلام کی وکالت کرے گا۔ لیکن اس تمام معاملہ میں وہ قطعیاتِ اسلام کا پابند رہے گا۔ اور اسی طرح وہ مسائل اور معاملات کہ جو ظنیات سے تعلق رکھتے ہیں اور ان میں اہلِ علم کے ہاں اختلاف پائے جاتے ہیں اگر مجدد کے زمانہ میں ان مسائل کے حوالہ سے کوئی نئی بات پیش آئے تو وہ اس میں اجتہاد کرکے درست راہ کو متعین کرے گا۔ وہ تمام باتیں کہ جو قرآن و سنت میں پختہ اور ثابت ہیں ان کو نہیں چھیڑا جائے گا۔ مجدد رسول سے مرتبہ اور اختیار میں بہت کم ہوتا ہے رسول کو اللہ رب العزت نے اس کا پابند کیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کا پابند ہو اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے وہ اسی کو من و عن مخلوق تک پہنچا دے۔ جب ایک رسول اللہ کے احکام میں ذاتی رائے اور اجتہاد داخل نہیں کر سکتا تو مجدد کیسے کر سکتا ہے؟ مجدد کے لیے قرآن کی قطعیات اور ثوابت کی پابندی کے ساتھ سنتِ رسول ﷺ کے قطعیات و ثوابت کی پابندی بھی لازم ہے۔ قرآن کی قطعیات کے حوالہ سے حکم درج ذیل ہے کہ جس سے واضح ہوتا ہے کہ قطعیاتِ قرآن میں کسی قسم کی کوئی رائے داخل کرنا قطعا جائز نہیں ہے۔ اللہ رب العزت نے سورہ آل عمران میں فرمایا:

"هو الذی انزل علیک الکتب من اٰیت محکمٰت هن ام الکتاب۔"(1)

(وہی ہے کہ جس نے آپ پر کتاب کو نازل کیا ہے کہ جس میں محکم آیات ہیں کہ وہ ہی کتاب کی اصل ہیں۔)

پس قرآن مقدس کی جو محکمات اور قطعیات ہیں وہ تو قرآن کی اصل ہیں۔ اگر کوئی شخص ان محکمات و قطعیات میں چھیڑ چھاڑ کرنے کی کوشش کرے گا تو گویا وہ قرآن کی اصل کو بدلنے کا عمل کر رہا ہے۔ پس محکمات و قطعیات میں کسی قسم کی کوئی تجدید نہیں ہوتی۔اور اسی سے سنتِ رسول ﷺ کی قطعیات اور محکمات کی حیثیت بھی واضح ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن اور رسول دونوں کی اہمیت کو برابر بیان کیا ہے۔ جہاں قرآن پاک کی حرمت اور قطعیت کو مسلم جاننا ضروری ہے وہاں سنتِ رسول ﷺ کے لیے بھی ضروری ہے۔

قرآن مقدس کی قطعیات اور محکمات کی بنیادی طور پر دو اقسام کی جاسکتی ہیں:

1۔امورِ غیبیہ کی اخبار

امورِ غیبیہ میں بہت سی چیزیں شامل ہیں جن میں سے چند بطور مثال درج ذیل ہیں:

1۔اللہ تعالیٰ کی ذات مبارکہ کے متعلق معلومات و اخبار

2۔فرشتوں وغیرہ کے متعلق اخبار

3۔قیامت و بعثت اور جنت و دوزخ کی اخبار

4۔سابقہ اقوام کی اخبار

5۔مستقبل کے امور کے بارے میں اخبار وغیرہ

ان میں سے کسی ایک نظریہ، عقیدہ یا خبر کے متعلق کوئی اجتہاد کر کے تجدیدی نظریہ نہیں دیا جاسکتا۔امورِ غیبیہ کے متعلق وہ تمام باتیں کہ جن کی اخبار اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے ہم تک نصوص صحیحہ سے پہنچ چکی ہیں اور وہ کسی تاویل کا احتمال نہیں رکھتیں ان میں اجتہاد کی کوئی مجال نہیں ہے۔

2۔احکامِ شرعیہ

قطعیات کی دوسری قسم احکامِ شرعیہ ہیں۔ جیسے عبادات کے متعلقہ احکام، معاملات کے حوالہ سے اصول و ضوابط اور مواریث کے متعلق تقسیمات وغیرہ۔

1۔ آل عمران:3 : 7

Āl-e-Imrān:3:7

احکام شرعیہ میں سے وہ تمام امور کہ جن کے متعلق اللہ تعالیٰ اور کے رسول ﷺ کی طرف سے ہم تک نصوصِ صحیحہ سے اخبار پہنچ چکی ہیں۔اور وہ کسی تاویل کو قبول نہیں کرتی تو ان میں اجتہاد کو کوئی مجال نہیں ہے۔ان میں کوئی تجدید نہیں بلکہ وہ تحریف، تغییر اور تبدید قرار پائے گی۔ جس طرح شرح قواعدِ فقھیہ میں شیخ احمد الزرقا نے کہا:

"لا مساغ لاجتهاد في مورد النص: لان الحكم الشرعي حاصل بالنص فلا حاجة لبذل الوسع في تحصيله بالاجتهاد۔ فالاجتهاد ظني و الحكم الحاصل به حاصل بظني، بخلاف الحاصل بالنص بانه يقيني و لا يترك اليقيني للظني ، و المراد بالنص الذى لا مساغ للاجتهاد معه هو المفسر المحكم۔"[2]

(جہاں پر نص وارد ہو جائے وہاں اجتہاد کو کوئی مجال نہیں ہے:اس لیے کہ حکم شرعی نص کے ساتھ حاصل ہوتا ہے تو اس میں کسی مفہوم کی زیادتی کوئی ضرورت نہیں ہوتی کہ جو اجتہاد کے ساتھ حاصل ہو۔ پس اجتہاد ظنی ہے اور اس سے حاصل ہونے والا حکم وہ ہے کہ جو ظنی دلیل سے حاصل ہوا ہے۔ بر خلاف اس کے کہ جو نص سے حاصل ہوا اس لیے کہ وہ یقینی ہے اور یقینی کو ظنی کی وجہ سے نہیں چھوڑا جا سکتا۔اور وہ نص کہ جس میں اجتہاد کو کوئی مجال نہیں ہے اس سے وہ نص مراد ہے کہ جو مفسر اور محکم ہو۔)

منصوص علیہ میں کسی کو اجتہاد کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ کیونکہ کسی کا بھی فہم اور عقل نصِ قطعی سے بلند اور بر تر نہیں ہو سکتا۔ فیض القدیر میں زین الدین مناوی لکھتے ہیں:

"و جاء في وصف المجدد ان يكون ((مجتهدا ، قائما بالحجة ، ناصرا للسنة ، له ملكة رد الشبهات الى المحكمات ، و قوة استنباط الحقائق و الدقائق النظريات ، من نصوص الفرقان و اشاراته و دلالاته و اقتضاءاته، من قلب حاضر و فؤاد يقظان۔"[3]

(اور مجدد کے وصف میں یہ آیا ہے کہ وہ ((مجتہد ہو، حجت پر قائم رہنے والا ہو، سنت کے ناصرین میں سے ہو (یعنی بدعات کا قاطع ہو)،اس کے پاس شبہات کو رد کرنے اور محکمات کو ثابت کرنے کا ملکہ ہو، قرآن حکیم فرقان مجید کی نصوص، اشارات، دلالات اور اقتضاءات سے قلب حاضر اور بیدار مغزی کے ساتھ حقائق اور دقائق نظریہ کو مستنبط

---

[2]۔احمد بن الشیخ محمد الزرقا، شرح القواعد الفقہیہ، صححہ وعلق علیہ: مصطفیٰ احمد الزرقا، طبع دوم: دار القلم—دمشق، 1490ھ، 1 / 147
Ahmad bin Al-Shaikh Muhammad, Sharah ul-Qawa’ed-e-Fiqhiya, Sahhahahu wa Allaqa Alaihi: Mustafa Ahmad Al-Zarqā, Tab’e Dwm: Dar-ul-Qalam-Dimashq, 1490, 1/147

[3]۔ مناوی، زین الدین محمد عبد الرؤف، فیض القدیر، شرح الجامع الصغیر، مکتبۃ التجاریۃ الکبری، القاھرۃ، 1938ء، 10/1
Manawī, Zain-ul-Dīn Muhammad Abdulrawf, Faiz-ul-Qadīr, Sharh-ul-Jam’e al-saghīr, Maktabat-ul-Tijariyat-ul-Kubra, Al-Qahira, 1937, 1/10

کرنے کی قوت رکھتا ہو۔)

مجدد کا کام محکمات اور قطعیات کو مستحکم کرنا ہے اور لوگوں کو ان کی طرف بلانا ہے۔ ان میں سے جو کچھ بھول چکے ہوں انہیں وہ سب کچھ یاد کرانا ہے۔ نہ کہ اس نے خود ان محکمات و قطعیات میں کوئی تجدید کا عمل کرنا ہے۔ پس اس نے زمانہ جدید کے تقاضوں کے مطابق ابلاغ اور اشاعت کے طرز و طریق کو جدید کرنا ہے لیکن اصلِ دین کو بدلنے کی جسارت کرنے سے پرہیز کرنا ہے۔ پس کسی ایک کو بھی قطعیات اور محکمات میں تصرف کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اور اگر کوئی قطعیات اور محکمات کے بارے میں اجتہاد پیش کرتا ہے تو اس کے اجتہاد کو کوئی حیثیت نہیں دی جائے گی بلکہ اس کو رد کر دیا جائے گا۔ کیونکہ قطعیات اور محکمات میں تجدید کی ضرورت نہیں ہے۔ پس تجدید ان امور میں ہے کہ جو ظنیات سے تعلق رکھتے ہیں، جن میں اجمال اور احتمام موجود ہے اور حالات و زمانہ کے بدلنے کے ساتھ نئے تشریح اور توضیح کی طلب رکھتے ہیں۔

ضابطہ 2: تجدید میں تخصیص کا ہونا

ہر شخص دین کے معاملہ میں تجدید کا عمل کرنے کی صلاحیت اور اختیار نہیں رکھتا۔ جب بھی شریعت مطہرہ اور امت مسلمہ کو نئے چیلنجز کا سامنا ہوتا ہے تو بہت سے لوگ اپنی اپنی آراء لے کر میدان میں داخل ہو جاتے ہیں۔ ان میں بہت سے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جو دین کی ضروریات اور قواعد و اصول سے ہی واقف نہیں ہوتے۔ اور انہیں تجدید کے ضوابط کی بھی خبر نہیں ہوتے۔ اپنے ذہن کے ساتھ مختلف امور میں اجتہاد کر رہے ہوتے ہیں حالانکہ ان کے پاس اجتہاد کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی وہ اجتہاد کرنے کے اہل ہوتے ہیں۔ لیکن وہ تجدیدی معاملات میں دخل اندازی کر رہے ہوتے ہیں۔

تجدید کے لیے ضروری ہے کہ وہی شخص اس ذمہ داری کو سنبھالے کہ جو تجدید کے ضوابط سے واقف ہو اور ضروریاتِ دین سے خبردار ہو۔ اسے دین کی قطعیات اور ظنیات کا علم ہو۔ وہ جانتا ہو کہ وہ کونسی چیزیں ہیں کہ جو اجتہاد کو طلب کرتی ہیں اور کونسی چیزیں ہیں کہ جن میں اجتہاد کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کیونکہ جس شخص کو دین کی ضروریات اور قطعیات کا علم نہ ہو اور وہ اجتہاد کے مجالات سے واقف نہ ہو تو وہ ان چیزوں میں بھی رائے دے گا کہ جن میں رائے دینے کی اسے اجازت نہیں ہے۔ علماء کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ جو چیزیں دین کی ضروریات میں سے ہیں ان میں کسی طرح اجتہاد کی اجازت نہیں ہے۔ کویت کی وزارۃ الاوقاف الاسلامیہ والشؤون الاسلامیہ کے تحت شائع ہونے والے الموسوعۃ الفقہیہ میں تجدید کی حدود بیان کرتے ہوئے درج ہے:

"لا اجتهاد في ما علم من الدين بالضرورة ، كوجوب الصلوات وكونها خمسا ، و

من هذا يعلم ان معرفة الحكم الشرعی من دليله القطعی لا تسمی اجتہادا۔"[4]

(ان چیزوں میں اجتہاد نہیں ہے کہ جن کو دین کی ضروریات میں سے جانا گیا ہو، جیسے نمازوں کا وجوب اوران کا پانچ ہونا۔اوراسی سے یہ بات بھی سمجھی گئی ہے کہ حکم شرعی کی معرفت دلیل قطعی سے ہوتی ہےاوراس کواجتہاد کانام نہیں دیاجاسکتا۔)

جو چیزیں احکام شرعیہ میں سے ہیں وہ اجتہاد سے ثابت نہیں ہوتی ہیں بلکہ ان کا ثبوت دلائل قطعیہ سے ہوتا ہے۔ توجو چیزیں دلائل قطعیہ سے ثابت ہوتی ہیں انہیں کسی تجدید کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جو شخص ان اصولوں اور ضوابط کو جانتاہوگااوران قیود کے اندر رہے گاوہی تجدید کا عمل کرنے کامجاز ہے لیکن جوان حدوداور قیود سے نکل جائے تووہ تجدید کامجاز نہیں ہے۔اوراس کا عمل تجدید نہیں بلکہ تحریف اور تبدیل کہلائے گا۔

پس لازم یہ ہے کہ جو شخص دین میں تجدید کا عمل کرے وہ تجدیدِ دین کی تعلیمات، قواعد وضوابط، اصول و معارف، قرآن وسنت کی قطعیات وظنیات کی معرفت اور مجالات تجدید کے فہم وفراست میں متخصص ہو۔یعنی اس شخصیت نےان تمام امور کواچھی طرح سمجھ لیا۔

ضابطہ 3: اصطلاحات اسلامیہ سے التزام

اصطلاحات کسی بھی علم، فن، مذہب، قوم، ملک، ریاست، حکومت یا نظام کے لیے نمائندہ کی حیثیت سے ہوتی ہیں۔اور نہ صرف وہ نمائندہ ہوتی ہیں بلکہ اس کے اصل معنی ومفہوم کی حامل ہوتی ہیں۔ مختلف نظام اور مکاتبِ فکر اپنی اصطلاحات کی بنیاد پر جانے اور پہچانے جاتے ہیں۔اس لیے لازمی امر یہ ہے کہ اسلام کا نمائندہ اور اسلام کی تبلیغ اور اشاعت کرنے والا اسلامی اصطلاحات نہ چھوڑے۔ وہ اسلامی اصطلاحات کا مستقل التزام کرنے والا ہو۔اگر وہ اسلامی اصطلاحات کوبدل کران کی جگہ دیگر اصطلاحات کولے کرآتاہے تویقینی طور پراس سے وہ دین کے حقیقی مفہوم اور تصور کوبدل دے گا۔اس سے وہ اسلام کے پیغام کو پہنچانے کی بجائے ان کا ہی پیغام اور مشن عام کررہاہوگا کہ جن کی اصطلاح کو استعمال کررہاہے۔ پس اس وجہ سے لازم ہے کہ دین کی تجدید کرنے والا شخص دینی اصطلاحات میں ہی تجدید کے عمل کو پوراکرے۔

---

[4] ۔وزارۃالاوقاف والشؤون الاسلامیۃ، الموسوعۃالفقہیۃ، طبع چہارم: وزارۃالاوقاف والشؤون الفقہیہ–کویت،1414ھ، 1 / 316
Wazarat-ul-Awqaf wa Alshuwn-ul-Islamia, Al-mwsūat-ul-Fiqhiya, Taba'e Chaharum: Wazarat-ul-Awqaf wa Alshuwn-ul-Fiqhiya kwīt, 1414, 1/316

ہمارے اس دورِ جدید میں بہت سی ایسی چیزیں داخل ہوئی ہیں کہ جن کی وجہ سے کئی طرح کے مسائل نے جنم لیا ہے۔ ان میں بہت سی چیزیں شامل ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آج کے دور میں طرح طرح کی اصطلاحات متعارف کی گئی ہیں۔ اور وہ تمام مخصوص پس منظر کی حامل ہوتی ہیں۔ کئی اصطلاحات تو ایسی ہوتی ہیں کہ جن کا ظاہری معنی و مفہوم کچھ ہوتا ہے لیکن ان کے باطن میں کچھ اور نظریات شامل ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ کئی ایسی اصطلاحات بنائی گئی ہیں کہ جو بظاہر اسلامی اصطلاحات سے میل کھاتی ہیں اور وہ اسلامی اصطلاحات کے معنی و مفہوم کو شامل ہوتی ہیں۔ لیکن حقیقت میں وہ اسلام مخالف نظریات پر قائم ہوتی ہیں۔ اس طرح اصطلاحات در حقیقت اسلامی تشخص اور نظریات میں بگاڑ پیدا کرنے کے لیے وضع کی جاتی ہیں۔ مسلمانوں میں سے بہت سے لوگ ان سے متاثر ہو کر ان کو استعمال کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور اس کے بدل میں اسلام کی اہم ترین اور بہترین اصطلاحات کو ترک کر دیتے ہیں۔ اس میں صرف عام لوگ ہی شامل نہیں ہوتے بلکہ بہت سے اہل علم اور مفکرین بھی اس بیماری کا شکار ہوتے ہیں۔ کئی اسلام کے مبلغین اسلام کی تبلیغ اور اشاعت غیرِ اسلامی اصطلاحات کے ساتھ کر رہے ہوتے ہیں۔ اس طرح وہ اسلام کا نام لے کر بھی اسلام کی بجائے کسی اور کے نظریات کی حمایت اور تائید کر رہے ہوتے ہیں۔

پس دینِ اسلام میں تجدید کرنے والے شخص کے لیے لازم ہے کہ وہ اسلامی اصطلاحات سے مکمل طور پر واقف ہو۔ ان تمام اصطلاحات کی اہمیت اور ضرورت کو جانتا ہو اور بوقت ضرورت ان اصطلاحات سے ہی کام چلائے اور غیرِ اسلام کی اصطلاحات سے اپنے مشن کی اشاعت کا کام نہ کرے۔ مخصوص اصطلاحات کو وضع کرنا اور ان کو باقاعدہ طور پر استعمال کرنا قرآن مقدس کی تعلیمات میں سے ہے۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کے لیے اصطلاحات وضع کی ہیں اور ان کو تعلیم دی ہے کہ وہ انہیں اصطلاحات کو ہی استعمال کیا کریں۔ اللہ کریں نے امت مسلمہ کے تعارف کے لیے جو اصطلاح وضع فرمائی ہے وہ درج ذیل ہے:

"هو سمّٰكم المسلمين۔"[5]

(اس نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔)

مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ خصوصی طور پر بتا رہا ہے کہ اس نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔ یہ امت مسلمہ کے تعارف کے لیے ایک خاص اصطلاح ہے۔ اور یہ اصطلاح اپنے مخصوص پس منظر میں وضع فرمائی گئی ہے۔ اس کے سوا

---

[5]۔الحج:22 : 78

Al-Hajj:22:78

کوئی بھی دوسری اصطلاح اس کی جگہ نہیں لے سکتی۔اور نہ ہی اس کے معنی و مفہوم کو شامل ہو سکتی ہے۔ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے ان کے رب کے تعارف کی اصطلاحات بھی وضع فرمائی ہیں۔کسی بھی دین، ملت اور قوم کے لیے اس کے معبود کی ذات بہت اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔جب معبود کی ذات اہمیت کی حامل ہوتی ہے تو اس کا تعارف اور نام بھی اتنا ہی اہم اور خصوصی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے معبود کے نام دیے ہیں:

"قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمن ایا ما تدعوا فلہ الاسماء الحسنی۔"(6)

(فرمادو! کہ (اپنے معبودِ برحق کو) اللہ پکارو یا رحمن پکارو۔اس کے کئی خوبصورت ترین (مخصوص) نام ہیں ان میں سے تم کسی سے بھی پکارو۔)

اللہ تبارک و تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے معبود کے حوالہ سے مخصوص نام دیے ہیں۔جو دینِ اسلام میں معبود کے لیے مخصوص اصطلاحیں ہیں۔ان کے علاوہ کوئی بھی اصطلاح اور اسم ان کی جگہ نہیں لے سکتا۔

پس مخصوص اصطلاحات کو اپنانا اور ان کو استعمال کرنا اور ان کو ہی بلانا یہ خود اللہ رب العزت کی تعلیمات میں سے ہے۔دینِ اسلام کے لیے قرآن مقدس، حدیث مبارکہ اور تمام علوم شرعیہ میں ہر ہر عقیدے، عمل اور نظریے کے لیے مخصوص اصطلاحات وضع کی جا چکی ہیں۔اور ان میں سے ہر ایک مخصوص پس منظر قائم ہوتی ہے۔پس مسلمانوں کے لیے حکم یہ ہے کہ اپنے دین کی اشاعت اور تبلیغ کے لیے اور دینِ اسلام کے نظریہ کو عام کرنے کے لیے اسلامی اصطلاحات کو ہی استعمال میں لائیں۔اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو پھر وہ اسلام کے تصور کو بدلنے میں کوشش کر رہے ہوں گے۔اس لیے جو شخص تجدید کا عمل کر رہا ہو گا اس کے لیے انتہائی اہم ہے کہ وہ دینی اصطلاحات کو استعمال کرتا رہے اور کسی دوسرے مذہب، قوم اور نظام کی اصطلاحات کو استعمال نہ کرے اور نہ ہی ان سے متاثر ہو۔یہ الگ بات ہے کہ کسی بھی نظام، دین یا نظریہ کی اچھی باتوں کو قبول کیا جاتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسلامی اصطلاحات کو بدل دیا جائے اور ان کو چھوڑ کر غیرِ اسلام کی اصطلاحات کا التزام کر لیا جائے۔ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے اس مسئلہ کی اہمیت کو اس طرح بیان کیا ہے:

"ینبغی ان یکون وفق المفہوم و المصطلح الاسلامی ، فضبط المصطلح و المفہوم مسالة

6۔بنی اسرائیل:17 : 110

Banī Israeil:17:110

اساسية فی کل فکر، فمن الضروری ان یکون المصطلح دقیقا، ویعنی معنی واحدا، فلا نکترث بتغیر الاسماء الذی لا یصحبه تغیر فی حقائق الاشیاء و ماهیتها۔"(7)

(اور مناسب یہ ہے کہ تجدید کا عمل اسلامی مفہوم اور مصطلح کے موافق ہو، پس ہر فکر میں اس کے مفہوم اور مصطلح کا ضبط بنیادی مسئلہ ہے۔ پس یہ ضروری معاملہ ہے کہ مصطلح معانی میں واضح ہو یعنی اس کا ایک ہی مفہوم مراد لیا جاتا ہو۔ پس اشیاء کے حقائق اور ماہیتوں میں تغیر کرنے والے ایسے اسماء کو استعمال میں نہیں لا سکتے ہیں کہ جو ان کے مفہوم سے مصاحبت اور موافقت نہ رکھتے ہوں۔)

ان کا موقف بھی یہی ہے کہ ہم کسی بھی ایسے اسم یا اصطلاح کو استعمال میں نہیں لا سکتے ہیں کہ جو اسلامی اصطلاح کے معنی و مفہوم کے ساتھ موافقت و مطابقت نہ رکھتا ہو۔ کیونکہ ہر مکتبِ فکر میں اس کی اصطلاحات اور مفاہیم کو بہت خصوصی اہمیت دی جاتی ہے۔

ضابطہ 4: شریعت کو عقل پر مقدم رکھنا

مجدد کا کام دین کے ان امور میں تجدید کرنا ہے کہ جن کو لوگ پسِ پشت ڈال چکے ہوں اور وہ ان پر عمل پیرا ہونے سے گریزاں ہو رہے ہوں۔ اور کئی ایسے نئے امور اور مسائل پیش آجائیں کہ جن کہ وجہ سے دین کے مفاہیم اور ضروریات کی نئی تشریح کرنا ضروری ہو جائے، تو اس خدمت کو نبھانا مجدد کا کام ہوتا ہے۔ لیکن مجدد کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ شریعت کے امور میں اپنی عقل سے تصرف کرنا شروع کر دے۔ جن امور میں اسے تجدید کرنے کی اجزت ہے ان میں بھی وہ اس چیز کا پابند ہے کہ شریعت کے احکام اور اصول و ضوابط کے مطابق عمل کرے گا۔ اور شریعت کی بات کو اپنی عقل اور قیاس سے ہمیشہ مقدم رکھے گا۔ شریعت کو اللہ تعالیٰ نے امت تک دو مقدسات کے ساتھ پہنچایا ہے۔ ان میں سے ایک رسول کی ذات ہے اور دوسری کتابِ مقدس ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے بارے میں امت کو جو تعلیم دی وہ یہ ہے کہ مسلمان ان دونوں کی اطاعت اور اتباع کے پابند ہیں۔ کسی بھی مسئلہ میں ان کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے معاملہ کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف پیش کریں۔ اپنی عقل کو بعد میں رکھیں اور اللہ و رسول کی بات کو مقدم رکھیں۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے:

"یا ایها الذین اٰمنوا اطیعوا الله و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیء

7۔ القرضاوی، الدکتور یوسف، الخصائص العامۃ للاسلام، طبع سوم: مکتبۃ وھبہ – قاہرہ، 1986ء، ص:194

Al-Qarzāwī Dr.Yusuf, Al-Khasais-ul-Āmah Lil-Islām, Tab’ Sowm: Maktaba Wahba-Qahira, 1986, P:194

فردوہ الی اللہ و الرسول ان کنتم تؤمنون باللہ و الیوم الاٰخر ذلک خیر و احسن تاویلا۔"[8]

(اے ایمان والو! تم اللہ کی اطاعت کرتے رہو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے صاحبانِ امر کی اطاعت کرو۔ پس اگر تم کسی چیز میں جھگڑ پڑو تو اس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بارگاہ میں پیش کرو اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ ہی بہتر طریقہ اور بہت عمدہ تاویل ہے۔)

اللہ رب العزت نے اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی اطاعت کے لیے احکام تو کئی مقامات پر دیے ہیں۔ خصوصی طور پر وہ معاملات میں کہ جن میں لوگوں کے درمیان اختلاف پیدا ہو جائے، جن معاملات کے فہم میں تفریق پیدا ہو جائے اور جہاں کسی بہتر تاویل اور تشریح و توضیح کی ضرورت پیش آجائے تو اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے خصوصی طور پر حکم دیا ہے اس معاملہ کو اللہ اور اس کے رسول کی بارگاہ میں ہی پیش کرو۔ اس کی اصلاح اور بہتری کے لیے لازمی طور پر اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات اور اصول و ضوابط کو جانو۔ اور ان کے مطابق ہی تشریح و تاویل کو قبول کرو۔ اختلافی معاملات میں تاویلات اور تشریحات سے کام چلایا جاتا ہے۔ اس لیے اللہ کریم نے خصوصی طور پر اس کا ذکر فرما دیا ہے کہ ان معاملات میں سب سے بہترین تاویل وہی ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے بیان کردہ ہو۔

خصوصی طور پر اللہ کریم نے رسول ﷺ کی اطاعت کو لازم کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"و ما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ۔"[9]

(اور ہم نے رسول کو صرف اسی مقصد کے لیے بھیجا ہے کہ اللہ کے حکم کے ساتھ اس کی اطاعت کی جائے۔)

جو بھی شخص رسول پر ایمان لاتا ہے اس کے لیے لازم ہے کہ ہمیشہ رسول کا متبع رہے اور کسی بھی مسئلہ میں رسول کی بات کو چھوڑ کر اپنی عقل کی بات کو پیش نہ لائے۔ قرآن مقدس اور حدیث مبارکہ کی تعلیمات بھی یہی ہیں اور امت مسلمہ کا شروع سے آج تک اسی بات پر اتفاق چلا آ رہا ہے۔ پس مجدد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی عقل کو ہمیشہ شریعت سے پیچھے رکھے۔ اور شریعت مطہرہ کو مقدم رکھے۔ فیض القدیر سے مناوی کا اسی کے متعلق موقف پہلے بھی درج کیا جا چکا ہے، کہ وہ مجدد کے اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" ان یکون ((مجتہدا ، قائما بالحجۃ ، ناصرا للسنۃ ، لہ ملکۃ رد الشبہات الی المحکمات ،

8۔النساء:4 : 59

Al-Nisā:4:59

9۔النساء:4 : 64

Al-Nisā:4:64

وقوة استنباط الحقائق والدقائق النظريات ، من نصوص الفرقان واشاراته ودلالاته واقتضاءاته، من قلب حاضر وفؤاد يقظان۔"(10)

(کہ وہ ((مجتہد ہو، حجت پر قائم رہنے والا ہو، سنت کے ناصرین میں سے ہو (یعنی بدعات کا قاطع ہو)، اس کے پاس شبہات کو رد کرنے اور محکمات کو ثابت کرنے کا ملکہ ہو، قرآن حکیم فرقان مجید کی نصوص، اشارات، دلالات اور اقتضاءات سے قلب حاضر اور بیدار مغزی کے ساتھ حقائق اور دقائق نظریہ کو مستنبط کرنے کی قوت رکھتا ہو۔)

قرآنی نصوص، اشارات، دلالات اور اقتضاءات کو سمجھتے ہوئے جدید دور کے مسائل کو حل کرنا ضروری ہے۔ جب دورِ جدید میں طرح طرح کے مسائل پیدا ہو جائیں تو پھر تجدید کا عمل ضروری ہے۔ اور اس کے لیے قرآنی نصوص واشارات ودلالات واقتضاءات سے راہنمائی لی جائے گی اور اپنی عقل کو پیچھے چھوڑ دیا جائے۔

تجدید دین کے مفہوم پر تفصیلی بحث کرنے کے بعد ابوالطیب عظیم آبادی نے آخر میں کہا:

"تجديد الدين هو احياؤه وبعث معالمه العلمية والعملية ، التى ابانتها نصوص الكتاب و السنة وفهم السلف۔"(11)

(تجدید دین سے مراد دین کا احیاء کرنا ہے اور اس کے معالم علمیہ وعملیہ کو عام کرنا اور لوگوں میں نافذ کرنا ہے کہ جن کو کتاب وسنت اور سلف صالحین کے فہم نے واضح کر دیا ہوا ہے۔)

پس ان کی بات بھی یہی ہے کہ تجدید کتاب وسنت کی تعلیمات کی اتباع کے ساتھ ہی کی جاسکتی ہے۔ اور اس کے ساتھ اضافہ یہ ہے کہ سلف صالحین نے جو قرآن وسنت کی تعلیمات کی روشنی میں احکامِ شرعیہ کی تشریحات اور تاویلات کر دی ہیں ان کی اتباع کی جائے۔ لیکن ہر مقام پر اپنی عقل کو بعد میں رکھا جائے گا۔ جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے یمن کی طرف گورنر بنا کر بھیجا تھا تو ان سے جب رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ کرنے کے متعلق سوال فرمایا تو انہوں نے جواب میں یہی عرض کیا تھا کہ سب سے پہلے قرآن سے اس کا حل دیکھوں گا، اس کے بعد آپ ﷺ کی سنت مبارکہ سے اس کا حل ڈھونڈوں گا اگر ان دونوں سے نہ ملا تو پھر **"اجتہد برائی"** اپنی رائے کے ساتھ اجتہاد کروں گا۔ یہ سب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا قول اور موقف نہیں تھا بلکہ رسول اللہ ﷺ نے

10۔ مناوی، فیض القدیر، شرح الجامع الصغیر، 10/1

Manāwī, Sharah Al-Jām’e Al-Saghīr, 1/10

11۔ عظیم آبادی، عون المعبود، 11 / 28

Azīm ābādī, Awn-ul-Ma’bod, 11/28

بھی ان کی تحسین اور تائید فرمائی اور اس طرح یہ خود رسول اللہ ﷺ کا موقف اور آپ ﷺ کا تعلیم کردہ طریقہ بھی بن گیا۔اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قاضی شریح کی طرف لکھ بھیجا تھا:

"بان یقضی بما فی کتاب اللہ ، ثم بما فی سنۃ رسول اللہ ﷺ ، فان جاءک ما لیس فی کتاب اللہ ، و لا فی سنۃ رسول اللہ ﷺ فانظر ما اجتمع علیہ الناس فخذ بہ ۔ ثم ذکر اجتہاد الولی۔"(12)

(فیصلہ اس کے مطابق کیا جائے کہ جو کتاب اللہ میں ہوگا، پھر اس کے ساتھ کہ جو سنتِ رسول اللہ ﷺ میں ہوگا، پس اگر تیرے پاس ایسا مسئلہ آجائے کہ جس کے بارے میں کتاب میں کوئی راہنمائی نہ ملے، اور نہ ہی سنتِ رسول اللہ ﷺ میں تو پھر اس کو دیکھ کہ جس پر تمام لوگ جمع ہوں پس اسی کو پکڑ لے۔ پھر آپ نے باصلاحیت شخص کے اجتہاد کا ذکر فرمایا۔)

سب سے مقدم کتاب اللہ کو رکھا گیا ہے اور اس کے بعد سنتِ رسول اللہ ﷺ کو۔ یہ دونوں شریعت کی اصل ہیں۔ تمام مسائل اور معاملات میں ان دونوں کو ہی مقدم رکھا جائے گا۔ تو شریعت کو پہلے دیکھا جائے گا۔ اگر کوئی جدید مسئلہ پیش آجائے تو پھر عقل کی طرف توجہ کی جائے۔ پہلے عقلِ اجتماعی کو دیکھا جائے گا جسے اصول میں اجماع کہا گیا ہے اس کے بعد عقلِ انفرادی کی اہمیت آتی ہے۔ اور اس کے لیے شرط یہ ہے کہ اجتہاد کرنے والا شخص باصلاحیت ہو۔

ضابطہ 5: فکرِ تجدیدی افراط و تفریط کے متوسط ہو

مجدد کا کام یہ ہے کہ وہ اسلام کی تعلیمات کو اس کی اصل کی شکل میں متعارف کراتا ہے۔ وقت گزرنے اور حالات و واقعات کے بدلنے اور نئے سے نئے مسائل پیش آنے کے ساتھ امت کے مختلف طبقات میں جو افراط اور تفریط پیدا ہو جاتا ہے ان میں اسلام کا حقیقی مفہوم بیان کرنا مجدد کا کام ہے۔ مجدد نے افراط اور تفریط سے امت کو نکالنا ہوتا ہے۔ پس اس لیے ضروری ہے کہ فکرِ تجدیدی ہر قسم کے افراط اور تفریط سے پاک ہو۔ دین اسلام ایک ایسا دین ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے افراط اور تفریط سے پاک بنایا ہے۔ اللہ کریم نے اس کے لیے حنیف، وسط اور مستقیم کی اصطلاحات استعمال فرمائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ہمیشہ افراط و تفریط سے پاکیزہ راستے صراطِ مستقیم

12۔ابو نعیم، احمد بن عبد اللہ الاصبہانی، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، دار الکتب العربی – مصر، 1405ھ – 1985ء، 4 / 136
Abu-Nu'aim, Ahmad bin Abdullah Al-Asbahani, Hilyat-ul-Awliya wa Tabaqat-ul-Asfiya, Dar-ul-Kutub Al-Arabi Misr, 1985, 4/136

کے لیے دعا کرنے کی تلقین فرمائی ہے:

"اھدنا الصراط المستقیم۔"(13)

(تو ہمیں صراطِ مستقیم (ایسا راستہ کہ جو افراط و تفریط سے پاک ہو) کی ہدایت عطا فرما۔)

اسی طرح اللہ کریم نے اسلام کو دینِ حنیف بھی قرار دیا ہے کہ جو ہر قسم کے عیب سے پاک ہے۔ اور ان عیوب میں، جن سے اسلام کو پاک کیا گیا ہے، افراط و تفریط بھی شامل ہیں۔ اللہ کریم نے اس کے متعلق فرمایا ہے:

"فاقم وجہک للدین حنیفا۔"(14)

(پس تم اپنے منہ کو دین حنیف کی اتباع کے لیے سیدھا کر لو۔)

ربِ ذوالجلال نے ایک ایسے دین پر قائم رہنے کا حکم فرمایا ہے کہ جو صفتِ حنیفیت سے موصوف ہے۔ اسے ہر قسم کے عیب سے پاک رکھا گیا ہے۔ اور اس دین کی متبع امت مسلمہ کو ربِ ذوالجلال نے امتِ وسط قرار دیا ہے۔ یہ ایک ایسی امت ہے کہ جس کو ہر جانب کی انتہاؤں سے پاک رکھا گیا ہے۔ اور اس کے لیے ایسا نظام نازل کیا گیا ہے کہ جو مکمل طور پر افراط و تفریط سے پاکیزہ اور مبرا ہے۔ اسی بنیاد پر اس کی تمام تعلیمات میں بھی انفرادی طور پر یہ خوبی رکھی گئی ہے کہ اس کی تمام تعلیمات اور احکام ہر طرح سے معتدل اور متوازن رکھے گئے ہیں۔ اس دین کو ربِ ذوالجلال نے متوسط بنایا ہے کہ جو درمیانی راہ ہے۔ یہ دین جس امت کو دیا گیا ہے ربِ ذوالجلال نے اسے بھی امتِ وسط بنا دیا ہے۔ کہ یہ امت بھی ایسے طریقوں پر چلے گی کہ جو دینِ وسط کے موافق ہوں گے اور ہر قسم کے افراط و تفریط سے پاک ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کی اس صفت کے متعلق فرمایا ہے:

"وکذلک جعلنٰکم امة وسطا۔"(15)

(اور ایسے ہی ہم تمہیں امت وسط بنایا ہے۔)

یہ دین متوسط ہے، اس کا نظام متوسط ہے، اس کی کل تعلیمات متوسط اور معتدل ہیں اور اس دین کی حامل

13۔ الفاتحہ: 1 : 5

Al-Fātiha:1:5

14۔ الروم: 30 : 30

Al-Rūm:30:30

15۔ البقرۃ: 2 : 143

Al-Baqarah:2:143

امت کو بھی وسط قرار دیا گیا ہے۔ان تمام باتوں کو مد نظر رکھیں تو پھر اس حقیقت کو سمجھنے میں کوئی رکاوٹ نہیں رہ جاتی کہ اس دین کی اشاعت و تبلیغ کا مشن اپنانے والوں کو بھی متوسط راہ اختیار کرنا ضروری اور لازم ہے۔اور خاص طور پر جس شخص نے تجدید کا کام کرنا ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ افراط و تفریط سے بالکل بچ کر چلے۔اس کا کوئی بھی نظریہ افراط و تفریط زدہ نہ ہو اور نہ ہی اس کے اخلاق واعمال سے ایسا کچھ ظاہر ہو۔کیونکہ اس کی تو ذمہ داری ہی یہی ہے کہ وہ امت میں سے افراط و تفریط کا خاتمہ کر دے۔اگر وہ خود ہی افراط یا تفریط زدہ ہو جائے گا تو پھر وہ تجدید کیا کرے گا؟ تجدید کرنے والے کے لیے سب سے پہلے ضروری ہے کہ وہ اپنے نظریات اور افکار میں تجدید کرے اور انہیں ہر طرح کے افراط و تفریط سے پاک کرے۔اور اعتدال و توازن پر قائم کرے۔

اس وقت امت مسلمہ جن حالات سے گزر رہی ہے کہ جگہ جگہ انتشار پھیل چکا ہے۔لوگوں نے اپنے اپنے افکار کو دین کا نام دے رکھا ہے۔ہر ایک اپنے آپ کو ہدایت پر مانتا ہے اور باقی سبھی کو جہنمی اور گمراہ سمجھتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر نے اپنے لیے جو نظریات اپنا رکھے اور وہ ان پر عمل پیرا ہیں ان میں سے بہت زیادہ شدت پسندی اور انتہاء پسندی پر مبنی ہیں۔اور اعتدال و توازن سے ہٹ چکے ہیں۔باوجود اس کے کہ جس کے خود کے نظریات راہِ مستقیم اور دینِ حنیف سے دور ہیں وہ دوسروں کو تنقید کا نشانہ بنا رہا ہے۔اور انہیں اس کے نظریات کو نہ اپنانے کی وجہ سے طرح طرح کے الزامات سے نوازتا ہے۔اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ یہ نظریاتی اختلافات جنگ کا نقشہ پیش کرنے لگتے ہیں۔اور دونوں جانب والے باہم گتھا گتھا نظر آتے ہیں۔اسی شدت پسندی کی وجہ سے کئی بار قتل و غارت بھی ہوئی اور بہت سے لوگوں کو ہلاک کر دیا گیا۔الغرض یہ کہ اس شدت پسندی اور انتہا پسندی نے امت مسلمہ کو بہت زیادہ نقصان پہنچایا ہے۔اور اس تمام جنگ کے اندر ہر کسی نے تعصب کی بنیاد پر اپنے اپنے مذاہب اور مسالک قائم کر لیے ہیں اور وہ اسی پر ٹک گئے ہیں۔انہیں دوسری کوئی مناسب ہی نہیں لگتی اور کسی بھی ہدایت کی بات کرنے والے کو پسند نہیں کرتے اور نہ ہی مناسب و درست بات کو تسلیم کرتے ہیں۔اس افراط زدہ ماحول میں جو شخصیت تجدید کی ذمہ داری سنبھالے گی اس کے لیے سب سے اولاً لازمی یہ ہے کہ وہ اعتدال اور توازن پر قائم ہو جائے اور ہر قسم کے افراط اور تفریط سے خود کو محفوظ رکھے۔

ضابطہ6: دین میں تشدد اور غلو نہ کرنا

اور یہ کہ وہ لوگوں پر احکام کو تنگ نہیں کرے گا احکام کو لوگوں تک پہنچانے میں آسانی سے کام لے گا۔دین کے احکام میں زیادتی کرنا، غلو کرنا اور شدت کا معاملہ کرنا بالکل بھی جائز نہیں ہے۔کوئی بھی شخص دینِ اسلام کی تبلیغ اور اشاعت کے کام میں اس سختی کو نہیں اپنا سکتا۔احکام میں بلاوجہ کی تنگی اور شدت پیدا کرنے کا کسی کو جواز حاصل نہیں

ہے۔ شریعت کو جس چیز کو واجب قرار دیا ہے اس کو فرض تک نہ پہنچائے۔ اور جس کو سنت بنایا ہے اس کو واجب کے مقام پر نہ لے جائے۔ اور ایسے ہی جس چیز کو مکروہ گردانا ہے اس کو حرام نہ بنائے اور حرام کو کفر کی حد میں داخل نہ کرے۔ شریعت کے احکام کا لحاظ کرنا اور شرعی حدود کی پاسداری کرنا انتہائی اہم اور لازمی امر ہے۔ ضروری ہے کہ شریعت نے احکام میں جتنی سختی اور شدت رکھی ہے اس سے بڑھائی نہ جائے اور جتنی نرمی اور گنجائش پیدا کی ہے اس کو گھٹایا نہ جائے۔ اور ایسے ہی بلاوجہ نرمی اور گنجائش کو بھی نہ بڑھایا جائے۔ یعنی ہر طرف سے شرعی حدود کی پاسداری کرنا لازمی اور اہم ترین امر ہے۔

پس کوئی بھی شخص کہ جو مجدد ہونے کا گمان کرتا ہو اور وہ دینی امور کی تبلیغ اور اشاعت میں سختی کے ساتھ برتاؤ کرتا ہو تو وہ شخص مجدد نہیں ہو سکتا۔ کہ دین میں غلو کرنا اور تشدد کی راہ اختیار کرنا تجدید کے امور میں سے نہیں ہے جیسا کہ دین کے احکام میں تفریط اور تہاون پیدا کرنا شریعت کے تصورِ تیسیر میں سے نہیں ہے۔ اللہ رب العزت نے قرآن مقدس میں ارشاد فرمایا ہے:

"لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا لھا ما کسبت و علیھا ما اکتسبت۔"[16]

(اللہ تبارک و تعالیٰ کسی جان پر اس کی وسعت اور استطاعت سے زیادہ تکلیف (مشقت اور بوجھ) نہیں ڈالتا۔ ہر ایک جان کے لیے وہ کچھ ہے جو اس نے کمایا اور اس کے ذمہ بھی وہی ہے کہ جو اس نے کمائی کی۔)

جب شارع حقیقی دین کے معاملہ میں کسی پر سختی اور شدت کا معاملہ نہیں فرماتا اور اتنا ہی بوجھ ڈالتا ہے کہ جتنا کسی میں استطاعت ہوتی ہے تو کوئی بھی مبلغ اس کا مجاز نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے بڑھ کر سختی پیدا کرے۔ کوئی مبلغ کی حیثیت سے ہو یا مجدد و مجتہد کی حیثیت اس کے لیے لازم یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا کردہ آسانی کو باقی رکھے اور احکام میں ضرورت سے زیادہ سختی نہ کرے۔ اور ضرورت کی سختی بھی شریعت کے اصولوں سے ہی سمجھے گا۔ ضرورت کے فہم کے لیے بھی معیار شریعت کے احکام ہی ہیں۔ فتح القدیر میں امام محمد بن علی الشوکانی الیمنی نے مذکورہ بالا آیت کی تفسیر کرتے ہوئے کہا ہے:

"التکلیف: ھو الامر بما فیه مشقة وکلفة ، و الوسع : الطاقة ، و الوسع: ما یسع الانسان ، ولا یضیق علیه ، وھذہ جملة مستقلة جاءت ، لکشف کربة المسلمین ، ودفع المشقة علیھم فی التکلیف بما فی الانفس۔ وھی کقوله تعالیٰ : (یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم

---

[16]۔البقرۃ: 2 : 286

Al-Baqarah:2:286

العسر))۔"[17]

(تکلیف: وہ امر ہے کہ جس میں مشقت اور تنگی ہو۔اور وسع: طاقت کو کہتے ہیں۔اور وسع: وہ ہے کہ جس کی انسان کے پاس سکت اور استطاعت ہو اور وہ اس پر تنگ نہ ہو۔اور یہ ایک مستقل جملہ کے طور پر آیا ہے۔مسلمانوں سے تکلیف اور تنگی کو دور کرنے اور ان سے مشقت کو ہٹانے کے لیے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:((اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ فرماتا ہے اور وہ تمہارے متعلق مشکل کا ارادہ نہیں فرماتا))۔)

جب اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے بارے میں کسی بھی مشقت اور تنگی کا ارادہ نہیں فرمایا تو کوئی بھی شخص اس کا مجاز نہیں ہے کہ وہ احکام کی تبلیغ میں مشکل پیدا کرے۔اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو وہ یقینا دین کے معاملہ ذاتی طور پر تصرف کر رہا ہے۔عقائد ہوں یا، عبادات کے متعلقہ احکام، یا معاملات وغیرہ کے بارے میں جس پہلو سے بھی احکام ہوں غلو کرنے کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔اور رسول اللہ ﷺ کا اسلام کی تبلیغ اور تعلیم کا یہی طریقہ تھا کہ آپ ﷺ لوگوں کے لیے دین کو بہت آسان بنا دیتے تھے۔لوگ اس سے اکتاتے نہیں تھے۔اور آپ ﷺ جب بھی کسی کو کہیں گورنر وغیرہ بنا کر بھیجتے تو یہی تعلیم ارشاد فرماتے تھے کہ **"یسروا ولا تعسروا۔"**(دین کے احکام کے بارے میں آسانی کرنا اور تنگی نہ کرنا)۔جب خود شارع کی طرف سے سختی کو اٹھا دیا گیا ہو اور یہ تعلیم دی جا رہی ہو کہ آسانی پیدا کرنی ہے تو پھر کسی کو کیسے اجازت ہو سکتی ہے کہ وہ سختی کے ساتھ احکام کو آگے پہنچائے۔اور جن چیزوں کو شریعت نے ایک درجہ پر رکھا ہے وہ ان کو ان کے درجہ سے بڑھا کر پیش کرے۔

تجدید کا تو عمل لازم ہی اسی لیے ہوتا ہے کہ دین کے معاملہ میں داخل ہونے والی تفریط اور شدت کو ختم کیا جائے۔جب دینی تصورات کو بگاڑ کر پیش کیا جا رہا ہو اور دینی احکام میں ذاتی آراء اور خواہشات ملا دی جائیں تو مجدد کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ ان تمام ملاوٹوں سے دین کو صاف کرتا ہے اور اس کی اصلی شکل میں پیش کرتا ہے۔اور دین کی اصلی شکل یہ ہے کہ اس میں ایسی سختی نہیں ہے کہ جس سے لوگوں کو وحشت ہو۔اور مجدد یہ عمل کرتا ہے کہ شریعت نے جن احکام کو جس درجہ پر رکھا ہے مگر لوگوں نے ان احکام کو ان کے درجات سے بڑھا کر بیان کرنا شروع کر دیا ہے تو وہ احکام کو ان کے درجات پر قائم رکھتا ہے اور درست طریقہ سے اسلام کی تعلیم کو پھیلاتا ہے۔اس لیے تجدید کے عمل میں کسی قسم کا غلو اور تشدد و سختی روا نہیں ہے۔اگر ایسا ہو تو یقینا وہ تجدید نہیں ہے۔

---

[17]۔الشوکانی، محمد بن علی بن محمد، فتح القدیر الجامع بین فنی الروایۃ والدرایۃ من علم التفسیر، مطبع: دار الفکر—بیروت، 1 / 307

Al-Shawkānī, Muhammad bin Alī bin Muhammad, Fath-ul-Qadīr, Matb'e: Dār-ul-Fikr, beirūt, 1/307

ضابطہ 7: مذاہب کی رخصت اور علماء کی لغزشوں کی عدم اتباع

مختلف فقہی مذاہب میں بعض اوقات رخصتیں موجود ہوتی ہیں۔ اور اسی طرح بعض اوقات اجتہاد کرتے وقت بعض علماء اور فقہاء سے لغزش ہو جاتی ہے۔ تو مجدد کے لیے ضروری ہے کہ وہ نہ تو مذاہب کی رخصت کی اتباع کرے اور نہ ہی کسی عالم کی لغزش کا پیروکار بنے۔

اگرچہ اللہ رب العزت نے خود بھی بہت سی رخصتیں دی ہیں لیکن وہ اللہ کی طرف سے ہی ہیں کسی بھی بندے کی طرف سے آنے والی رخصتوں کی اتباع نہیں کی جائے گی۔ پہلے بھی بیان کیا جاچکا ہے کہ شریعت کو ہمیشہ عقلِ اجتماعی وانفرادی اور کسی بھی عالم وفقیہ کے قیاس پر ترجیح دی جائے گی۔ شرعی رخصت کیا ہے اس کی تعریف الاسنوی نے اس طرح کی ہے:

"فالرخصة : هى الحكم الثابت على خلاف الدليل ؛ لعذر هو المشقة و الحرج۔"[18]

(رخصت: وہ حکم ثابت ہے کہ جو دلیل کے خلاف ہو؛ وہ کسی ایسے عذر کی بناپر ہو کہ جو مشقت اور حرج کا باعث ہو۔)

شریعت میں ایک مقررہ حکم پر کوئی دلیل موجود ہوتی ہے لیکن کسی ایسے عذر کی وجہ سے، جس میں مشقت اور تنگی ہو، اس دلیل کے خلاف کوئی حکم ثابت ہو جائے۔ یعنی اس عذر کی بناپر پہلے حکم میں کوئی ترمیم کر دی جائے۔ یہ شریعت کی طرف سے رخصت ہوتی ہے اور اللہ کریم کی سنت یہی ہے کہ وہ لوگوں کے ہمیشہ رخصت پیدا کرتا ہے۔ ان کے عذر اور تنگی کے معاملہ میں ان کے لیے احکام میں ترمیم کر دیتا ہے۔ جس طرح وہ عزیمت کی تعلیم دیتا ہے ایسے ہی وہ رخصتیں بھی پیدا فرماتا ہے۔ اس کے حوالہ سے رسول اللہ ﷺ کا فرمان بھی ملاحظہ ہو:

"عن ابن عباس رضى الله عنه قال : قال رسول الله ﷺ : ان الله يحب ان تؤتى الرخصه كما يحب ان تؤتى عز ائمه۔"[19]

---

[18]۔ الاسنوی، عبدالرحیم بن الحسن ابو محمد، التمهید فی تخریج الفروع علی الاصول، تحقیق: د۔ محمد حسن هیتو، مؤسسۃ الرسالۃ۔ بیروت، 1400ھ، 1 / 71

Al-Asnawi, Abdulrahīm bin Al-Hassan Abu-Muhammad, Al-Tamhīd Fī Takhrīj al-Furw'e Ala al-Usūl, 1400, 1/71

[19]۔ ابن حبان، الصحیح، دار الکتب العلمیۃ۔ بیروت۔ لبنان، طبعۃ الاولی: 1407ھ۔ 1987ء، رقم الحدیث: 354

Ibn-Hibban, Al-Sahīh, Dar-ul-Kutub Al-Elmiyah Beirūt, Tab'e:1987, Hadith:354

(حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ واصحابہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ بالکل اسی طرح رخصتیں عطا کرنا پسند فرماتا ہے کہ جس طرح وہ عزیمت اور مشقت دینا پسند فرماتا ہے۔)

اللہ کریم کی طرف سے لوگوں کو رخصت دی جاتی ہے لیکن یہ اللہ ہی کا اختیار ہے یا اس نے جتنا اختیار اپنے رسول ﷺ کو عطا فرمایا ہے۔ کوئی بھی اور شخص دین کے احکام میں رخصت پیدا کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ اور اگر مختلف مذاہب میں رخصتیں موجود ہوں تو ان کو تلاش کر کے ان پر چلنا یہ دین کے مزاج کے خلاف اور ناجائز ہے۔ علماء کرام اور فقہاء عظام سے بعض اوقات اجتہاد کرنے میں کوتاہی اور لغزش ہو جاتی ہے تو مبلغ اور مجدد کے لیے لازمی ہے کہ وہ ان لغزشوں سے بچے اور دینِ مستقیم کی پیروی کرے۔ جیسا کہ امام ذہبی نے کہا:

"و من تتبع رخص المذاهب ، وزلات المجتهدين ، فقد رق دينه، كما قال الاوزاعی او غيره : من اخذ بقول المكيين فی المتعة ، و الكوفيين فی النبيذ ، و المدنيين فی الغناء ، و الشاميين فی عصمة الخلفاء ، فقد جمع الشر۔ و كذا من اخذ فی البيوع الربوية بمن يتحيل عليها ، و فی الطلاق و نكاح التحليل بمن توسع فيه ، و شبه ذلك فقد تعرض للانحلال۔"[20]

(اور جس نے مذاہب کی رخصتوں اور مجتہدین کی لغزشوں کی اتباع اور تتبع کیا اس نے اپنے دین کو کمزور کر دیا۔ جیسا کہ اوزاعی یا اس کے علاوہ کسی نے کہا ہے: جس نے مکیوں کے قول پر متعہ کو لیا، کوفیوں کے موقف پر نبیذ کو لیا، مدنیوں کے اجتہاد پر غناء کو پکڑا، شامیوں کے مطابق عصمتِ خلفاء کا عقیدہ اختیار کیا اس نے شر کو اپنی ذات میں جمع کر لیا۔ بیوع کے معاملہ میں دولت کو بڑھانے والے حیلوں کو اختیار کرنا، اور طلاق کے معاملہ میں اور پھر نکاح کی تحلیل کے مسئلہ میں، اور اس جیسی چیزیں کہ جن کو جائز کرنے کے لیے متوجہ ہو (ان تمام امور کے ساتھ کوئی بھی شخص اپنے دین کو کمزور کر لیتا ہے)۔)

امام ذہبی کی اس بات کے مثل ابن حزم نے بھی کہا ہے:

"و اتفقوا ان طلب رخص كل تاويل ، بلا كتاب و سنة فسق لا يحل، و اتفقوا انه لا يحل

20۔ ذہبی، محمد بن احمد بن عثمان بن قائماز الذہبی ابو عبداللہ، سیر اعلام النبلاء، تحقیق: شعیب الارناؤوط– محمد نعیم العرقسوسی، طبع نہم: مؤسسۃ الرسالۃ–بیروت–لبنان، 1413ھ– 1992ء، 8 / 90

Dhahbi, Muhammad bin Ahmad bin Usmān Abu-Abdullah, Siyar A'alām-ul-Nubalā, Tab'e: Beirut, 1992, 8/90

ترک ما صح من الكتاب و السنة ، والاقتصار على ما اقتصر عليه فقط۔"[21]

(اور تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تمام تاویلات میں سے رخصت کو طلب کرنا کہ جس رخصت کو قبول کرنے کی بنیاد کتاب وسنت پر نہ ہو فسق ہے اور یہ حلال نہیں ہے۔اور اس پر بھی سبھی کا اتفاق ہے کہ جو چیز کتاب و سنت میں سے صحیح ہو اس کو ترک کرنا حلال نہیں ہے۔بس جس قدر قرآن پاک میں احکام کو روکا گیا ہے اسی پر رک جانا لازم اور ضروری ہے۔)

جب ایسا زمانہ آجائے کہ لوگ رخصتوں کی اتباع کر رہے ہوں اور علماء کی لغزشوں کے پیچھے چلنے لگیں تو پھر تجدید کی ضرورت پیدا ہوتی ہے۔ تجدید میں اسی چیز کی روک تھام کا عمل کیا جاتا ہے کہ رخصت کی بجائے شریعت کے احکام کے مطابق عمل کیا جائے۔ جہاں تک شرعی رخصتیں موجود ہیں ان کو حاصل کیا جائے۔ تو خود تجدید کے عمل میں کسی بھی قسم کی رخصت کو قبول کرنے کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے؟ یا یہ کہ جو شخص تجدید کا عمل کر رہا ہو اگر خود ہی رخصتوں اور لغزشوں کا پیروکار ہو گا تو وہ کیا تجدید کرے گا؟ یقینا تجدید کے عمل کے لیے ضروری ہے کہ مذاہب کی رخصتوں اور علماء کی لغزشوں سے دور رہا جائے۔

ضابطہ 8: مذاہب میں تلفیق سے پرہیز کرنا

دین کی تبلیغ اور تجدید کرنے والے کے لیے لازم ہے کہ وہ مختلف مذاہب میں تلفیق نہ کرے۔مذاہب میں تلفیق سے کیا مراد ہے؟ اس کی وضاحت یہ ہے کہ دو مختلف مذاہب کے فتاوی سے کسی ایک فعل کی صحت اور حلت کو نکال لینا تلفیق کہلاتا ہے۔ کہ ایک چیز ایک مذہب میں جائز ہے اور دوسری چیز دوسرے مذہب میں جائز ہے پس کوئی شخص ان دونوں مذاہب سے یہ دونوں باتیں لے کر ان سے اپنے ایک فعل کی صحت کو ثابت کرلے حالانکہ جو بات ایک مذہب میں جائز ہے دوسرے میں ناجائز ہو اور جو بات دوسرے میں جائز ہے وہ پہلے ناجائز ہو۔اس طرح وہ دونوں باتیں ایک ایک کر کے دونوں مذاہب کی طرف سے ناجائز قرار دی گئی ہوں۔ لیکن دوسری طرف ایک ایک کر کے دونوں مذاہب کی طرف سے وہ صحیح قرار دی گئی ہوں۔

اس کی وضاحت الموسوعۃ الفقہیہ میں اس طرح دی گئی ہے:

21۔ابن حزم، علی بن احمد بن سعید بن حزم الظاہری ابو محمد، مراتب الاجماع فی العبادات و المعاملات و الاعتقادات، دار الکتب العلمیۃ۔ بیروت۔لبنان، س۔ن، 1 / 175

Abn-e-Hazm, Ali bin Ahmad bin Saīd Al-Zahirī, Maratib-ul-Ijma’ Fil’Eibadat walmu’āmlat, Dar-ul-Kutub AlIlmiya, Bairut, 1/175

"التلفيق بين المذاهب : اخذ صحة الفعل من مذهبين معا ، بعد الحكم ببطلانه على كل واحد منها بمفرده ، كالنكاح بلا ولى و لا شهود ، فان النكاح بلا ولى صحيح عند الحنفية، و النكاح بلا شهود صحيح عند المالكية ، فان صحة النكاح حينئذ ملفقة من المذهبين معا لكنه باطل عند كل مذهب۔"[22]

(مذہب کے درمیان تلفیق سے مراد یہ ہے: کہ دو مذاہب کو ایک ساتھ لے کر ان سے کسی بھی فعل کی صحت کو نکال لینا، حقیقت یہ ہو کہ ان دونوں میں سے ہر ایک مفرداً باطل قرار دیا جاچکا ہو۔ جیسے ولی کے بغیر اور گواہ کے بغیر نکاح۔ کہ ولی کے بغیر نکاح حنفیہ کے نزدیک صحیح ہے اور گواہوں کے بغیر نکاح مالکیہ کے نزدیک صحیح ہے۔ پس جب ان دونوں مذاہب کی باتوں کو ملا دیا جائے تو نکاح کو صحیح مان لیا جائے۔ حالانکہ وہ نکاح دونوں مذاہب میں باطل ہے۔)

احناف کے نزدیک ولی کے بغیر نکاح جائز ہے اور مالکیہ کے نزدیک گواہوں کے بغیر جائز ہے۔ پس جب کوئی شخص ولی اور گواہ دونوں کے بغیر نکاح کرلے اور اس کے لیے دونوں مذاہب سے جواز جمع کرلے۔ کہ مذہب مالکیہ کے مطابق گواہوں کے نہ ہونے کے باوجود نکاح درست ہو گیا اور ولی نہ ہونے کی صورت میں مذہب حنفیہ کے مطابق نکاح صحیح ہو گیا۔ اس طرح دونوں مذاہب کو ملا کر صحت نکال لے حالانکہ وہ نکاح دونوں مذاہب کے مطابق درست نہیں ہے۔ کیونکہ مذہب حنفیہ میں گواہوں کا ہونا لازم ہے اور گواہ کے بغیر نکاح نہیں ہے اور مذہب مالکیہ کے مطابق ولی کا ہونا لازم اور ولی کے بغیر نکاح درست نہیں ہوتا۔ اسی طرح علامہ ابن عابدین شامی نے اس طرح فرمایا ہے:

"ان الحكم و الفتيا بالقول المرجوح جهل و خرق للاجماع ، و ان الحكم الملفق باطل بالاجماع۔"[23]

(قولِ مرجوح پر فتوی دینا اور حکم لگانا جہالت اور اجماع کو توڑنا ہے۔ اور تلفیق کے ساتھ حکم لگانا بالاجماع باطل ہے۔)

پس اس موضوع پر تمام فقہاء کا اجماع ہے کہ تلفیق جائز نہیں ہے۔ بعض مسائل میں تلفیق کی اجازت بھی

22۔ وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیۃ، الموسوعۃ الفقہیہ، 13 / 293
Wazarat-ul-Awqaf, Al-Mawsū'at ul Fiqhiyah, 13/293

23۔ ابن عابدین، محمد امین بن عمر عابدین، حاشیۃ رد المحتار علی الدر المختار شرح تنویر الابصار فی فقہ ابی حنیفہ، دار الفکر للطباعۃ والنشر—بیروت —لبنان، 1412ھ— 1900ء، 3 / 508
Ibn-e-ābidīn, Muhammad Amīn bin Umar, Hashiyah Radd-ul-Muhtār, Dār-ul-Fikr Beirut, 1900, 3/508

ہے۔ علماء کی اس کی بھی اجازت دی ہے کہ وہ کونسے مسائل ہیں کہ جن میں تلفیق کی جاسکتی ہے۔ لیکن وہاں بھی ضروری ہے کہ خواہش نفس داخل نہ ہو اور بنیادی طور پر اتباع قرآن و سنت کی تعلیمات کی ہو۔ اس حوالہ سے ڈاکٹر وھبہ الزہیلی نے اس طرح لکھا ہے:

"ان مجال التلفيق فى المسائل الاجتهادية الفرعية الظنية ، و ليس فى مسائل : الاخلاق ، و العقائد ، و العبادات المالية ، و المعاملات الدينية ، و المحظورات ، و الامور المعلومة من الدين بالضرورة ، التى ليست محلا للاجتهاد و التقليد و التلفيق۔"[24]

(اجتہادی فرعی ظنی مسائل میں تلفیق کے لیے مجال موجود ہے۔ اور ان مسائل میں نہیں (کہ جو درج ذیل سے تعلق رکھتے ہوں): اخلاق، عقائد، عبادات مالیہ، معاملات دینیہ، محظورات (ممنوعات و محرمات)، دین کے امور معلومہ بالضرورۃ، کہ جن میں اجتہاد، تقلید اور تلفیق کا کوئی محل نہیں ہے۔)

کہتے ہیں کہ وہ مسائل کہ جو فروعی اور ظنی ہیں ان میں تو تلفیق کی مجال اور اجازت ہے۔ اور یہ کہ جن مسائل میں بعد والوں کے لیے اجتہاد کی اجازت ہے ان میں بھی تلفیق کی جاسکتی ہے۔ لیکن ان کے علاوہ میں بالکل اجازت نہیں ہے۔ پس ایک مجدد کے لیے ضروری ہے وہ دین کے سیدھے اور واضح مسائل اور طرق کا انتخاب کرے۔ اور دین کے معاملات میں التباس اور تلفیق پیدا کرنے سے پرہیز کرتا ہے۔

ضابطہ 9: احکامِ شرعیہ کو تمام زمان و مکاں کے لیے عام رکھنا

شریعت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو تمام زمانوں اور علاقوں کے لیے عام کر دیا ہے۔ اس سے پہلی شریعت مخصوص زمانوں اور مخصوص علاقوں کے لیے ہوا کرتی تھیں۔ لیکن یہ شریعت ان سابقہ تمام حدود سے ماوراء کر دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس شریعت کے ساتھ جس رسول کو مبعوث فرمایا ہے ان کو بھی زمان و مکاں کی تمام حدود سے ماوراء کر کے بھیجا ہے۔ اور حضور نبی کریم ﷺ نے اس دین کی تبلیغ اور اشاعت میں بھی یہی منہج اختیار کیا ہے کہ دین کو عامۃ الناس تک پہنچایا جائے۔ اور کسی مخصوص علاقہ اور زمانہ تک محدود نہ کیا جائے۔ تو اجتہاد اور تجدید میں بھی اسی چیز کا خیال رکھا جائے کہ احکامِ شرعیہ کو کسی زمانے یا مکان کے ساتھ مخصوص نہ کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم ﷺ کو حکم فرمایا:

---

[24] وھبۃ الزہیلی، الرخص الشرعیۃ—احکامھا وضوابطھا، دار الخیر—بیروت—لبنان-دمشق، 1413ھ— 1992ء، ص:70 – 73
Dr.Wahba Al-Zuhailī, Al-Rukhas-ul-Shar'iyah, Dar-ul-Khair Beirut, 1992, P#:70-73

"قل یا ایها الناس انی رسول الله الیکم جمیعا الذی له ملک السمٰوٰت والارض۔"[25]

(فرمادو! کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بن آیاہوں، کہ جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے۔)

اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم ﷺ کو حکم فرمایاہے کہ آپ لوگوں کو اعلان کریں کہ میں تم سب انسانوں کے لیے اللہ کا رسول بن کر آیاہوں۔ تمام اور زمانوں اور علاقوں تک میری نبوت اور رسالت پھیلی ہوئی ہے۔ میں اس اللہ تعالیٰ کا رسول بن کر آیاہوں کہ تمام آسمانوں اور زمین کی بادشاہی جس کے لیے مسلم ہے۔ تو اس نے میری رسالت کو بھی زمین و آسمان پر پھیلا دیاہے۔ اور سابقہ انبیاء کی نبوتوں، رسالتوں اور شریعتوں کے لیے حدود و قیود سے میری رسالت، نبوت اور شریعت کو آزاد کر دیاہے۔

قرآن مقدس اور حضور نبی کریم ﷺ کی تعلیمات آفاقی اور عالمگیر ہیں۔ ایک مبلغ اور مجدد کے لیے ضروری ہے کہ وہ بھی جب دینِ اسلام کی تبلیغ کرے اور احکام کو بیان کرے تو ان میں آفاقیت اور عالمگیریت کو موجود رکھے۔ شریعت کے احکام کو مخصوص علاقوں اور مخصوص زمانوں کی قیود کے ساتھ مقید نہ کرے۔ سید قطب شہید لکھتے ہیں:

"الشریعة ربانیة المصدر، و حین یتولی الله عزوجل التشریع لعباده، بان المنهج الحیویّ المنبثق منه یجیء بریئا من کل ما یعتور الصنعة البشریة من القصور، و النقص، و الضعف، و التفاوت، و هکذا یاتی الشمول خاصیة من خصائص التصور الاسلامی۔"[26]

(شریعت وہ ہے کہ جس کا مصدر رب ذوالجلال کی ذات والا صفات ہے، اور جب اللہ تعالیٰ نے شریعت کو اپنے بندوں کے حوالے کیاہے تو اس میں ایسا منہج اختیار کیاگیاہے کہ جو تمام بشری مخلوق کو شامل ہو۔ اور وہ ہر قسم کی کمی، نقص، کمزوری اور فرق سے مبرا ہو۔ اور اسی طرح اسلامی تصور کے خصائص میں سے ہر ایک خاصہ کو شامل ہو۔)

پس یہی اسلام کا تصور ہے کہ وہ تمام انسانیت کے لیے بھیجا گیاہے۔ اس کی تنزیل بھی اسی منہج پر کی گئی ہے

---

[25]۔ الاعراف:7 : 158

Al-A'araf:7:158

[26]۔ قطب، سید شہید، خصائص التصور الاسلامی و مقوماتہ، مطبعۃ البابی الحلبی–القاہرہ–مصر، 1385ھ– 1965ء، ص:108

Qutub, Sayyid Shahīd, Khasais-ul-Tasuwwur ul-Islami, Marb'e: Al-babi alhabli Qahira, 1965, P#:108

اور رسول اللہ ﷺ نے اس کا ابلاغ اور تبلیغ بھی اسی منہج پر کیا ہے۔اس کے بعد امت میں سے بھی ہر ایک کے لیے ضروری ہے کہ وہ دین اسلام کو آفاقی اور عالمگیر سمجھیں۔ خصوصی طور پر جو شخصیات اس کی تبلیغ،اشاعت اور تجدید کے مشن پر کار بند ہوں تو ان کے لیے یہ ذمہ داری اور بھی بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔اس کے علاوہ یہ کہ امت کے اندر بھی احکام کو محدود نہ کرے۔ شریعت نے جتنی وسعت رکھی ہو اس کو اسی طرح باقی رکھے۔ امام بخاری نے رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث مبارکہ درج کی ہے:

"عن ابن مسعود رضی الله عنه ان رجلا اصاب من امراة قبلة فاتی رسول اللهﷺ ، فذکر ذلک له ، فانزلت علیه : ((و اقم الصلوة طرفی النہار و زلفا من اللیل ان الحسنات یذهبن السیئات ذلک ذکری للذٰکرین۔[27])) قال الرجل: الی هذا؟ قال : ((لمن عمل بها من امتی))۔"[28]

(حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: کہ ایک شخص نے (حیض کی حالت میں) اپنی بیوی کی شرمگاہ میں جماع کر لیا۔ پھر وہ شخص رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر اور آپ ﷺ سے یہ عرض کیا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ((اور دن کے دونوں طرفوں اور رات کے پہروں میں نماز قائم کریں بے شک نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔ یہ نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے نصیحت ہے۔)) اس شخص نے عرض کیا: کیا یہ آیت میرے لیے ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((میری امت میں سے جو بھی یہ عمل کرے گا اس کے لیے ہے))۔)

جس طرح رسول اللہ ﷺ نے احکام کو عام رکھا ہے اور آپ ﷺ نے اللہ تعالٰی کے احکام، رخصتوں اور رحمتوں میں زیادہ لوگوں کو شامل کرنا چاہا ہے۔ مبلغ اور مجدد کے لیے بھی ضروری ہے وہ اسی منہج کو اختیار کرے۔ دین کو اللہ تعالٰی نے بہت وسعت بخشی ہے۔ یہ دین زمان و مکان کی تمام حدود و قیود سے مبرا کر دیا گیا ہے۔اس کے احکام اگرچہ مخصوص اسباب اور واقعات پر نازل ہوتے ہیں لیکن وہ صرف اسی سبب اور واقعہ کے ساتھ خاص نہیں ہوتے۔ بلکہ وہ تمام انسانیت کے لیے عام ہوتے ہیں۔اور اگر وہ شرعی احکام ہوں تو پھر تمام امت کو شامل ہوتے ہیں۔یہی قرآن

27۔ ھود: 11 : 114

Hūd:11:114

28۔ بخاری، الجامع الصحیح، رقم الحدیث: 503

Bukhari, Al-Jami’e Al-Sahih, Hadith:503

مقدس کا اسلوب اور منہج ہے اور حضور نبی کریم ﷺ کی تعلیمات سے بھی یہی کچھ ظاہر ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا تمام ضوابط قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق امت کے اکابرین، ائمہ، علماء اور فقہاء و مجتہدین نے وضع کیے ہیں۔ ان ضوابط کی حقیقت قرآن وسنت سے ہی ہے۔ قرآن وسنت کی منشاء یہی ہے کہ دینِ اسلام کی تبلیغ اور اشاعت ان ضوابط اور قواعد کو مدنظر رکھ کر کی جائے۔ کہ دینِ اسلام کی قطعیات اور محکمات اور ثوابت کو من وعن تسلیم کیا جائے۔ عقل کو ہمیشہ شریعت کے تابع رکھا جائے۔ خواہش نفس کو دور رکھا جائے۔ وہی بندہ تجدید کرے کہ جو تجدید اصول وضوابط کو بخوبی جانتا ہو۔ اور اس کے لیے ضروری علوم پر بھی دسترس رکھتا ہو۔ اور شرعی اصطلاحات و مفاہیم کی اتباع ضروری ہے۔ اسلام کی تبلیغ اور دین کی تجدید شرعی اصطلاحات اور مفاہیم میں کی جائے۔ دین میں افراط و تفریط اور غلو و تشدد سے پرہیز کیا جائے۔ دین اسلام کی تعلیمات کو ہمیشہ مقدم سمجھا جائے۔ رخصتوں اور لغزشوں کی پیروی کرنے سے پرہیز کرے اور مذاہب میں تلفیق بھی نہ کرنے والا ہو۔ دین اسلام ایک آفاقی اور عالمگیر دین ہے اس کی تعلیمات کو اسی کے مطابق عام کیا جائے۔ اور ان میں ایسی حدود اور قیود پیدا کرنے سے مکمل پرہیز کیا جائے کہ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے نہیں ہیں۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License